تحقیق وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود[1]

مولانا عبدالحمید سواتی

وجود کی تحقیق ——— حضرت مرزا جانِ جاناںؒ کی تقریرات میں مرقوم ہے کہ لفظ وجود سے کبھی معنی مصدری انتزاعی مراد ہوتا ہے (یعنی کسی چیز کا ہونا) اور کبھی صادر اول کو وجود کہتے ہیں اور کبھی ذات باری تعالیٰ کو وجود کہتے ہیں (لیکن یہ بات ہر وقت ملحوظ خاطر رہے کہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس چیز کے پیچھے مت پڑو جس کا تمہیں علم نہیں۔ بے شک کان آنکھیں دل، ان سب سے اللہ تعالیٰ کے حضور سوال کیا جائے گا۔ اس لئے بغیر تحقیق کے ذات اور صفات باری تعالیٰ میں گفتگو کرنی جائز نہیں ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے مکتوبات ص۱۳۱ میں ہے کہ "ہمہ اوست" بایں معنی نہیں کہتے کہ مثلاً زید بھی خدا ہے اور عمرو بھی خدا ہے۔ نعوذ باللہ اور نہ بایں معنی کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کلی طبعی[2] ہے۔ اور ممکنات کے اشخاص اس کے افراد ہیں۔ یہ دونوں قول صریح کفر ہیں اور مکتوبات کے ص۱۳۲ میں ہے کہ "ہمہ اوست" کہنا مجاز سے خالی نہیں۔ اور ص۱۳۳ میں ہے کہ

---

[1] یہ مضمون حضرت مولانا حسین علیؒ کی کتاب تحفہ ابراہیمیہ (فارسی) کے ایک باب کا ترجمہ ہے۔

[2] کلی کے مفہوم کو کلی منطقی کہتے ہیں کیونکہ منطق والے صرف اس مفہوم کلی سے بحث کرتے ہیں۔ اور اس کلی منطقی یا اس مفہوم کلی کے معروض (مصداق) کو کلی طبعی کہتے ہیں۔ (باقی حاشیہ ص۴۸۶ پر)

وہ جو اثنائے سیر و سلوک مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ اور سُکر کی حالت میں اس کو بیان کردیتے ہیں اس کے ظاہری معنی مراد لینے اور اس پر اعتقاد رکھنا بالاجماع کفر ہے۔ مکتوبات کے ص۱۸۹ میں مرقوم ہے کہ "انا الحق" کہنا علمائے ظاہر و باطن کے اتفاق رائے سے کفر ہے۔ جب کہ یہ کلمہ ہوشیاری اور حالت صحو میں کہے۔ اور کہنے والا اپنے نفس سے حکایت کرتے ہوئے کہتا ہو۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات جلد ثالث کے مکتوب ص۱۰۹ میں مرقوم ہے کہ "اس راہ کے سلوک کا مدار وہم اور تخیل پر ہے احوال و مواجید (کوائف) جو اسی راہ کا خزانہ ہیں۔ یہ وہم سے ہی ادراک کئے جاتے ہیں۔ اور تجلیات اور سالکین کا مختلف رنگوں میں متلون ہونا، یہ سب خیال کے آئینہ میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ پس اگر وہم نہ ہو تو فہم بھی قاصر ہوگا۔ اور اگر خیال نہ ہو تو حال بھی مخفی ہو جائے۔ اس راہ میں وہم اور خیال سے زیادہ نافع کوئی چیز نہیں پائی گئی۔ اور ان حضرات کا اکثر ادراک و انکشاف واقعہ کے مطابق ہی ظہور پذیر ہوتا ہے۔ یہ وہم ہی ہے جو کہ پچاس ہزار سالہ راہ کو جو عبد اور رب کے درمیان ہے محض کرم خداوندی سے بالکل تھوڑے سے وقت میں طے کر لیتا ہے اور وصول کے درجات تک پہنچا دیتا ہے۔ اور یہ خیال ہی کا کرشمہ ہے جو کہ غیب الغیب کے حقائق اور اسرار کو اپنے آئینہ میں منکشف کر دیتا ہے۔ اور مستعد سالک کو ان سے مطلع کر دیتا ہے۔ اور یہ وہم ہی کی عظمت و بلند مرتبت ہے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے عالم کو اس مرتبہ میں اختیار فرمایا ہے اور اس کو اپنے کمالات کے ظہور کا محل بنایا ہے۔ اور یہ خیال کی بزرگی اور برتری ہے کہ حضرت

(بقیہ حاشیہ) اور اس عارض اور معروض کے مجموعہ کو کلی عقلی کہتے ہیں۔ مثلاً ایک انسان کا مفہوم ہے (حیوان ناطق) اور ایک اس کا مصداق ہے یعنی زید عمرو بکر وغیرہ۔ اور ایک ان دونوں کا مجموعہ ہے چونکہ صرف عقل میں ہی موجود ہو سکتا ہے اس لئے اس کو کلی عقلی کہتے ہیں۔ ۱۲ سواتی

واجب الوجود نے اس کو عالم مثال کا نمونہ بنادیا ہے اور یہ عالم مثال تمام عوالم (تمام جہانوں) سے زیادہ وسیع ہے۔ حتیٰ کہ مرتبہ وجوب جل شانہ کے لئے بھی اس جہاں (عالم مثال) میں صورت کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اور یہ حکم کیا گیا ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کے لئے مثل نہیں۔ مثال ہے۔ اور قرآن کریم میں جو یہ وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے مثل اعلیٰ ہے تو یہ احکام وجوبیہ کی صورتیں ہیں جن کو عارف اپنے خیال کے آئینہ میں احساس کرتا ہے۔ اور اپنے ذوق وریافت سے ان میں ترقی کرتا ہے۔"

اے برادر! تمہیں خوب معلوم کرلینا چاہیئے کہ صوفیہ کرام جو کچھ عالم مثال میں دیکھتے ہیں اور بعض اوقات عالم سکر میں اپنے مشاہدہ کا حال بیان بھی کردیتے ہیں، لوگ اس کو ظاہری معنی پر محمول کرتے ہیں اور پھر اسی پر اعتقاد کرتے ہیں۔ یا پھر ایسا کہنے والوں کی تکفیر کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ دونوں غلطی پر ہیں۔ حضرت مجددؒ کے مکتوبات جلد ثالث کے مکتوب ۸۹ میں مرقوم ہے کہ صاحب عوارف (خواجہ شہاب الدین سہروردی) نے فرمایا ہے کہ منصور کا "انا الحق" کہنا یا بایزید بسطامیؒ کا "سبحانی ما اعظم شانی" کہنا بطریق حکایت تھا۔ یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے حکایت کرتے ہوئے انہوں نے یہ کہا تھا۔ اور اگر یہ حکایت کے طریق پر نہ ہو بلکہ اس میں حلول اور اتحاد کا شائبہ ہو تو پھر ایسا کہنے والوں کی ہم اسی طرح تردید کریں گے جس طرح نصاریٰ کی تردید کرتے ہیں۔"

اور اسی مکتوب شریف میں یہ بھی مرقوم ہے (حضرت مجددؒ فرماتے ہیں) کہ جو کچھ یہ فقیر ان بزرگوں کے "ہمہ اوست" کے اطلاقات سے معنی سمجھتا ہے، وہ یہ ہے کہ یہ تمام جزئیات متفرقہ جو حادث ہیں، یہ سب اسی ذات واحد کا ظہور ہے (حضرت مولانا حسین علیؒ فرماتے ہیں کہ) اور میں کہتا ہوں کہ اس عبارت کے ایک اور معنی بھی ہیں جو حلول و اتحاد سے بہت دور ہیں یعنی تمام

اشیاء نیست ہیں۔ موجود تو صرف وہی ذات باری تعالیٰ ہے۔ یعنی تمام چیزوں کا وجود ذات باری تعالیٰ کے وجود کے مقابلے میں نیست کے حکم میں ہے۔ یہ معنی نہیں کہ تمام چیزیں اس کے ساتھ متحد ہیں۔ ایسا تو کوئی بے وقوف بھی نہیں کہہ سکتا، چہ جائیکہ ایسے بڑے بڑے بزرگ ایسا کہیں معاذاللہ۔ شرح رباعیات میں حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات جان لینی چاہیئے کہ عالم کا خارج میں موجود ہونا اور تمام اشیاء کا ظہور جیسا کہ آگ کی حرارت پانی کی برودت ہے، یہ اجلیٰ بدیہات (یعنی بالکل واضح اور بدیہہ بات) میں سے ہے۔ ممکن نہیں کہ کوئی شخص عقل کی سلامتی کے ساتھ اس میں شک کرسکے۔"

نیز حضرت شاہ ولی اللہ نے مکتوب مدنی میں لکھا ہے کہ یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ صوفیہ کرام اس بات کا التزام کرتے ہیں کہ حقائق امکانیہ محض اعتبارات اور اضافات ہیں، جو وجود کے ساتھ لاحق ہوتے ہیں کیونکہ ہم (صوفیہ کرام کی طرف سے جواب دیتے ہوئے) کہتے ہیں کہ صوفیہ کہتے ہیں کہ آگ پانی سے مغائر ہے۔ اور آگ اور پانی دونوں ہوا سے مغائر ہیں۔ اور اور اسی طرح انسان گھوڑے سے مغائر ہے۔ اگر چہ وجود ان سب کو شامل ہے۔ تو ضروری بات ہے کہ صوفیہ کرام اعتبارات اور اضافات سے ایسے معنی نہیں مراد لیتے جو اس تغائر کے مخالف ہوں، جو تغائر احکام کے مختلف ہونے کا منشا ہے۔

(اسی مکتوب میں شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں) صوفیہ کرام جہاں یہ کہتے ہیں کہ عالم عین حق ہے تو اس سے وجودات خاصہ کی نفی نہیں کرتے (یعنی وہ یہ نہیں کہتے کہ خارجی اشیاء کا وجود ہی نہیں) بلکہ وہ یہ مراد لیتے ہیں کہ اشیاء کا ظہور حق تعالیٰ سے ہے جیسے ایک منطقی کہتا ہے کہ زید و عمرو ایک ہیں تو اس سے اس کی مراد تماثل فی النوع ہوتا ہے

یعنی دونوں کی نوع ایک ہے اور ایسے ہی جب وہ کہتا ہے کہ انسان اور گھوڑا ایک ہے تو اس سے اس کی مراد حیوانیت میں ان کا اشتراک ہوتا ہے (یعنی انسان اور گھوڑے کی جنس ایک ہے) اسی طرح صوفیہ کرام جب کہتے ہیں کہ عالم عین حق ہے تو اس سے مراد لیتے ہیں کہ عالم سب کا سب وجود منبسط میں متعین ہے۔ یعنی صادر اوّل ہیں۔"

اور شرح رباعیات میں حضرت شاہ ولی اللہ نے شیخ صدرالدین قونویؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ وجود منبسط صادر اوّل ہے ذات الٰہی سے اور حضرت شیخ محی الدین بن عربیؒ اس پر اسم حق کے اطلاق کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ کسی شخص کو شیخ ابن عربیؒ پر استدراک اور اعتراض نہیں ہے کیونکہ انہوں نے سوائے صدق محض کے اور کچھ بھی قصد نہیں کیا۔ لیکن اگر شیخ اکبرؒ اس پر مبدع اور مجہول (یعنی معلوم الانیۃ مجہول الکیف) کا اطلاق کردیتے تو سننے والوں کے اذہان تشویش سے دور ہوتے اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر جاننے والا ہے۔"

حضرت مولانا رومیؒ نے مثنوی میں ذکر کیا ہے کہ "لا الہ الا انا فاعبدون" جو بایزید بسطامیؒ نے کہا ہے فی الحقیقت بایزید اس وقت حضرت موسیٰؑ کے اس درخت کی طرح تھے اور ہوش و حواس سے نکل چکے تھے۔ اور متکلم حق تعالیٰ تھا۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ۔

"ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو پکارا درخت سے کہ اے موسیٰ بے شک میں اللہ ہوں" اور جس طرح کہ جن انسان کے جسم میں داخل ہو جاتا ہے اور جن ہی کلام کرتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ آدمی بولتا ہے۔ حالانکہ بولنے والا جن ہوتا ہے اس طرح یہاں بھی بولنے والے بایزیدؒ نہ تھے۔ مثنوی میں ہے۔

چوں پری غالب شود بر آدمی

می برد از مرد وصف مردمی

در پری ایں حال ایں قانوں بود
پس پری را کردگارے چوں بود

یعنی جب جن آدمی پر غالب آجاتا ہے تو آدمی سے آدمیت کے وصف کو سلب کر لیتا ہے۔ جب جن میں یہ حال اور یہ قانون ہے تو جن کے خالق کی قدرت اور کرشمہ کیسا ہوگا۔

کلمات طیبات میں حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ اولیاء اللہ کے کلام میں بہت سے متشابہات ہوتے ہیں کہ بعض اوقات عقل ان کے ادراک سے قاصر ہوتی ہے وہ معانی جو اولیا اللہ پر مکشوف (ظاہر) ہوتے ہیں' ان کی تعبیر کے لئے الفاظ نہیں ہوتے مجبوراً استعارہ اور مجاز سے وہ کلام کرتے ہیں۔

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

در نیابد حال پختہ ہیچ خام
پس سخن کوتاہ باید والسلام

یعنی کسی خام کار آدمی کا حال پختہ یا کامل نہیں ہو سکتا اس لئے بات مختصر کرنی چاہیئے والسلام۔ خلاصہ یہ ہے کہ معانی ظاہری ان بزرگوں کے مراد نہیں بلکہ عالم مثال میں جو کشف سے ان پر ظاہر ہوتا ہے اس کے بارے میں یہ کلام کرتے ہیں بعض لوگوں نے ان کے ظاہری معانی سمجھنے کا دعویٰ کیا ہے حالانکہ ان بزرگوں کی مراد قطعاً یہ نہیں۔ اور بعض ان معانی کو ایک خاص طریقے پر سمجھے ہیں اور بعض کسی دوسرے طریقے پر۔

اصل بات یہ ہے کہ ذات اور صفات الٰہی کے بارے میں جو باتیں آیات و احادیث سے ثابت ہیں' یا عقل کے ادراک کے مطابق محقق ہیں ان کے سوا کوئی اور بات نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اُس چیز کے پیچھے مت پڑو جس کا تمہیں علم نہیں۔ بے شک

کان، آنکھیں دل سب سے سوال کیا جائے گا" جب حقوق العباد کے معاملے میں یہ ہے تو ذات الٰہی کے بارے میں کس طرح بلا تحقیق گفتگو کرنی جائز ہوگی، اور جو کچھ اولیاء کرام سے ثابت ہے یا انہوں نے گفتگو کی ہے۔ اس کی مراد وہ نہیں جو ظاہری طور پر سمجھی جاتی ہے بلکہ اس کا مطلب کچھ اور ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنی کتاب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۵ میں شیخ عبدالنبیؒ کے مکتوبات سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت آدم بنوری کے طریقے میں اس حد تک استغراق تام پیدا کرتے ہیں کہ سالک اشیاء کو شہود کے غلبہ کے باعث عین حق پاتا ہے۔ اسے ان کی اصطلاح میں توحید[1] وجودی کہتے ہیں۔ اگر اشیاء کو (سالک) گم کردے اور عالم مثال میں جمال ذوالجلال کو اشیاء کے پیچھے مشاہدہ کرے اور اشیاء کو نظر انداز کردے تو اسے توحید شہودی کہتے ہیں لیکن اس پر بھی مطلوب حقیقی تک وصول بغیر اشیاء کی تلبس کے نہیں ہوتا اس کے بعد اگر اس سالک کا پیر کامل

---

[1] حضرت شاہ رفیع الدینؒ "تکمیل الاذہان" میں فرماتے ہیں "حضرت مجددؒ نے یہ سمجھا ہے کہ وحدۃ الوجود والوں کی غرض اس کے اثبات سے یہ ہے کہ توحید وجودی کی معرفت سے اثنیت (دوئی) کا زوال ہو جاتا ہے۔ اور فنائیت پوری طرح حاصل ہو جاتی ہے، اور کمال وصل جیسا کہ اولیاء کرام کے نزدیک معروف ہے، عارف اس سے ہم کنار ہو جاتا ہے اور یہ چیز عابدیت اور معبودیت کی جہت کے احکام میں حفظ آداب اور کمال اطاعت سے نہیں حاصل ہو سکتی۔ ۱۲ سوانحی

ہوگا تو وہ اپنی توجہ سے مرید کو تجلیات و مشاہدات کے ہجوم سے بری کرے گا حتیٰ کہ سوائے نور یقین کے اسے اور کچھ بھی معلوم نہیں ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ سلوک کا مدار مکاشفات اور عالم مثال پر ہے۔ ہر ایک سالک اپنے کشف کے مطابق گفتگو کرتا ہے۔ پس مناسب ہے کہ سالک سب سے پہلے اذکار کی کثرت کرے۔ اور جس طرح ہم نے پہلے بیان کیا ہے اس طریقے پر اپنے شیخ کی توجہات کو جذب کرے پھر جو کچھ اس پر کشف سے ظاہر ہو، اگر وہ شریعت کے مطابق ہو تو قابل اعتبار ہے۔ ورنہ لائق اعتبار اور قابل توجہ نہیں۔

اور جو کچھ اس بندہ (مولانا حسین علیؒ) پر حالات ظاہر ہوئے ہیں اور جنہیں اس نے اپنے وجدان سے معلوم کیا ہے ان میں سے کچھ تحریر کرتا ہوں۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

تمام چیزوں کے مقابلے میں ظاہر ہے جو چیز سب سے زیادہ ہم سے قریب ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یعنی ہماری ذاتوں سے جتنا قرب خدا کی ذات کو ہے دوسری چیز کو اتنی نزدیکی کی نسبت میسر نہیں ہے۔ حق تعالیٰ نے ہم لوگوں کو اسی لئے پیدا فرمایا اور اسی لئے ہماری ہدایت فرمائی تاکہ ہم اس کی معرفت حاصل کریں اور اچھے بندوں کے اعزاز و اکرام کا جو مقام اس نے مقرر فرمایا ہے، وہاں تک ہماری رسائی ہو، تاکہ حضرت الٰہی کا مشاہدہ ہمیں میسر آئے اور اس کے جمال و جلال صفات کی دید سے ہم مشرف ہوں۔ اسی مقصد کے لئے پیغمبروں کو مبعوث کیا گیا اور کتابیں آسمان سے نازل ہوئیں یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے یہ سارا نظام اس لئے قائم نہیں کیا گیا ہے کہ جو چیزیں خدا سے دور اور بعید ہیں ان سب کے مقابلے میں ہم ہی سب سے زیادہ دور ہو جائیں اور جتنے بدبخت شقی نفوس حیرت و شک کے دریا میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں، ان کے مقابلے میں ہم ہی سب سے زیادہ بدبخت قرار پائیں۔

(از اردو ترجمہ اسفار اربعہ)